حضرت داؤدؑ کی دعا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کی آواز تھی۔

لحنِ داؤدی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعائیں

(خطبہ جمعہ فرمودہ 28 /جنوری 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝۶۲

(النحل:62)

پھر فرمایا:۔

ذکر الٰہی کا جو مضمون جاری ہے۔اس آیت کا اس سے کیا تعلق ہے اس کے متعلق میں انشاءاللہ آج گفتگو کروں گا اور اس کی تفصیل میں جاتے ہوئے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کی روشنی میں حضرت داؤد علیہ السلام کے کردار پر اور آپ کی مناجات پر جو روشنی پڑتی ہے وہ میرا آج کے خطبے کا موضوع ہے۔

لیکن اس سے پہلے کچھ اعلانات ہیں۔آج جماعتہائے احمدیہ ضلع اسلام آباد، ضلع راولپنڈی، ضلع لودھراں اور گوجرانوالہ شہر کے سالانہ جلسے ہو رہے ہیں۔ یہ سالانہ جلسوں کا نظام یعنی جگہ جگہ پر سالانہ جلسے منانا اس وجہ سے جاری ہوا کہ ربوہ کے سالانہ جلسے پر ایک لمبے عرصہ سے پابندی

عائد ہے۔ یہ سلسلہ حکومت نے جبراً بند کر دیا۔ نظامِ جماعت میں سالانہ جلسے کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے، ایک خاص مقام اور مرتبہ ہے اور سالانہ جلسوں کے نتیجے میں جماعتوں کی تربیت پر بہت گہرا اثر پڑتا تھا۔ اس لئے متبادل کے طور پر پاکستان میں یہ نظام جاری ہوا کہ بعض علاقے اپنا اپنا سالانہ جلسہ کیا کریں اور اس طرح سالانہ جلسے کی طرز پر مسیح موعود کا لنگر جاری ہو اسی طرح آپس میں علاقے کے لوگوں کا محبت کے ساتھ ملنا جلنا اور جس حد تک ممکن ہو اسی انداز کی تقریریں ہوں اور اس کے لئے مرکز سے مختلف علماء کو بھی وہاں بھجوایا جاتا تھا۔ پس اسی تسلسل میں یہ جلسے ہو رہے ہیں لیکن جیسا کہ پاکستان سے بہت سے لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ پہلے تو سال میں ایک دفعہ جلسہ ہوا کرتا تھا اب تو روز جلسے ہو رہے ہیں اور واقعۃً ویسی ہی کیفیت ہے جیسی جلسہ سالانہ کی کیفیت ہوتی تھی اور ساری جماعتِ پاکستان روز عید منا رہی ہے۔ اس لئے عملاً تو اب جلسے روزانہ ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے انشاء اللہ اور ان کا فیض پھیلتا رہے گا اور یہ پاکستان تک محدود نہیں رہے گا بلکہ سب دنیا پر محیط ہوگا تمام دنیا کی جماعتیں اب روزانہ ان جلسوں میں شامل ہوتی ہیں۔ لیکن پھر بھی اس یاد کو زندہ رکھنے کے لئے کہ ہم اپنے ایک حق سے محروم کئے گئے ہیں پاکستان میں یہ جلسوں کا سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا۔ یہ ایک قومی احتجاج ہے اور باشعور زندہ قومیں فضول گلیوں میں جا کر احتجاج نہیں کیا کرتیں، وہ اپنے مقاصد کو زندہ رکھنے کے لئے، ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھنے کے لئے، ان باتوں کو یاد کرتی ہیں جن کا تذکیر سے تعلق ہے۔ تذکیر سے مراد یہی ہے کہ اپنے آباؤ اجداد کی خوبیوں کو، ان کے چال چلن کو، ان کی دیگر باتوں کو ہمیشہ عزت سے یاد رکھا جائے تا کہ اس کے نتیجے میں آنے والی قوم کی نسلوں میں وہی یادیں کارفرما رہیں اور ان کے اعمال کو حسین سے حسین تر بناتی رہیں۔ پس اس تذکیر کے نفوذ کے پیش نظر پاکستان کی جماعتوں کو یہ جلسے اسی طرح جاری رکھنے چاہئیں۔ ہر چند کہ خدا نے اپنے فضل سے اب روز کا جلسہ عطا کر دیا ہے مگر حکومت پاکستان نے جو ہمارے بنیادی حق پر تبر رکھا ہے اس کی حیثیت تو تبدیل نہیں ہوئی وہ تو ابھی تک اسی طرح ہے۔ اس کے علاوہ آج ضلع خوشاب کی جماعتوں کے تین جگہ پر جلسے ہیں اور امریکہ سے اطلاع ملی ہے کہ Hosten میں ناصرات الاحمدیہ اور اطفال الاحمدیہ کا لوکل اجتماع منعقد ہو رہا ہے۔ ان سب کو احباب اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

جو آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی تھی اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ

بنی نوع انسان کے ظلموں پر نظر رکھتا تو سطح زمین پر ایک جاندار کو بھی زندہ نہ چھوڑتا۔ اس آیت کا حقیقی عرفان در حقیقت انبیاء کو ہوتا ہے اور اس آیت کے عرفان کے نتیجے میں ان میں ایک حیرت انگیز عاجزی پیدا ہو جاتی ہے۔ انسان خواہ کتنے ہی بڑے مقام پر کیوں نہ پہنچ جائے اس کی بنیادی بشری کمزوریاں ایسی ہیں کہ جو اسے پوری طرح خدا کی عبادت کا حق ادا نہیں کرنے دیتیں۔ پس ظلم سے مراد صرف یہ نہیں ہے کہ کسی پر زیادتی کی جائے یا کھلم کھلا گناہ کیا جائے۔ یہاں ظلم سے مراد کوتاہیاں ہیں۔ تو انسان کی کوتاہیاں ایسی ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ان پر نظر رکھتا تو تمام مخلوقات کو ہلاک کر دیتا۔

حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے اس مضمون کو یوں بیان فرمایا کہ اللہ اپنے بندوں کی خوبیوں پر نظر رکھتا ہے اور ان خوبیوں کے رستے ان سے تعلق قائم فرماتا ہے۔ اگر بندے کی بدیاں سامنے رکھتا تو کسی بندے سے اس کا کوئی تعلق نہ رہتا کیونکہ ہر انسان میں کوئی نہ کوئی بعض ایسی عادتیں، بعض بشری کمزوریاں خدا تعالیٰ کی شان سے اتنا نیچے ہیں کہ اس کے نتیجے میں اللہ کا تعلق اس سے قائم ہو نہیں سکتا۔ اب نیک سے نیک انسان کا بھی آپ تصور کر لیں اس کی روزمرہ کی بشری حاجات ایسی ہیں وہ کسی جگہ جاتا ہے تو دعا مانگتا ہے اللہ میں خبث سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں، خبائث سے بھی پناہ مانگتا ہوں۔ روزمرہ کی انسانی زندگی کا دستور ایسا ہے کہ ایک کامل روحانی ذات کے ساتھ کامل تعلق قائم ان معنوں میں ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ بعض دفعہ اپنے تعلق والوں میں ایک معمولی سی بدی دیکھتے ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہیں، طبیعت میں کراہت پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض خاوند بڑے شوق سے بیویاں بیاہ کے لاتے ہیں اور ان کے اندر کوئی مکروہ عادت دیکھتے ہیں تو دل سے اتر جاتی ہیں۔ بعض بیویاں بڑے شوق سے بعض مردوں سے بیاہ کرتی ہیں اور اس کے بعد ان کا دل نہیں لگتا، ایسے کئی معاملات میرے سامنے آتے رہتے ہیں پوچھا جائے تو کہتے ہیں ہمیں پتا ہی نہیں تھا اس میں یہ عادت ہے اور یہ عادت تو ہم برداشت کر ہی نہیں سکتے۔ ایک لڑکی نے لکھا کہ میرے خاوند میں عورتوں کی طرح چغلی کی عادت ہے اور میں کسی قیمت پر ایسے شخص کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ تو اس قسم کے چھوٹے چھوٹے نقائص انسان، انسان میں برداشت نہیں کرتا حالانکہ اس سے بہت زیادہ نقائص اس کے اپنے اندر بھی ہوتے ہیں۔ تو اللہ کی شان دیکھیں کتنی بلند ہے اگر وہ اس طرح انسانوں کی کمزوریوں اور بدیوں پر نظر رکھتا تو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ اصدق الصادقین ﷺ فرماتے ہیں اس کا

کسی بشر سے کوئی تعلق نہ رہتا۔

پس اس مضمون کو یہ آیت بیان فرما رہی ہے لیکن ایک اور رنگ میں، اس طرح کہ یہ نہیں فرماتا کہ ہر بندے سے تعلق کٹ جاتا، فرماتا ہے زمین پر میں کوئی جاندار زندہ نہ چھوڑتا۔ اب انسانوں کی غلطیوں میں جانداروں کا کیا قصور؟ اس میں بہت گہرا فلسفہ یہ سمجھایا گیا ہے کہ تمام مخلوقات اپنی ذات میں پیدا کرنا مقصود ہی نہیں انسان پیدا کرنا مقصود تھا اور انسان کی خاطر یہ مختلف زندگیوں کی صورتیں پیدا کی گئیں اور انسان کے فائدے میں پیدا کی گئیں۔ زندگی کی ہر شکل اس کا خواہ کیسا ہی بھیانک تصور آپ کے ذہن میں ہو کوئی نہ کوئی فائدہ اس عالمی وسیع اسکیم میں رکھتی ہے یعنی اس کا کوئی نہ کوئی کردار ایسا ہے جو خدا تعالیٰ کی وسیع تخلیق کی اسکیم میں وہ ادا کر رہی ہے اور کوئی چیز فائدے سے خالی نہیں ہے۔ پس اس پہلو سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر انسان سے میرا تعلق ٹوٹ جائے تو مخلوقات کو پھر زندہ رکھنے کا مقصد کوئی نہیں رہتا۔ جس کی خاطر پیدا کی گئی تھی وہی نہیں رہا تو ان کے رہنے کا کیا فائدہ۔

پس انسان کی سزا مخلوقات کو نہیں دی جائے گی لیکن چونکہ وہ انسان کی خاطر پیدا کی گئی تھیں اس لئے بے کار ہو جائیں گی۔ اس مضمون کے پیش نظر انبیاء میں غیر معمولی انکسار پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اس طرح اپنے خدا کے حضور عاجزی اور گناہوں کا اقرار کرتے ہیں کہ ایک عام دنیا کا انسان حیران ہو کر دیکھتا ہے کہ جن کو میں بے داغ سمجھتا تھا جن کو میں سب سے اوپر سمجھتا تھا ان کا یہ حال ہے پتا نہیں کیا کیا گناہ ان سے سرزد ہوئے ہیں جو اتنی بخششیں طلب کر رہا ہے۔

پس وہ لوگ جو تکبر کے کیڑے رکھتے ہیں ان کو اس مضمون کا عرفان حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر اپنی ذات میں انسان اُتر کے دیکھے تو پھر اس کو پتا چلے گا کہ کتنے داغوں سے پُر ذات ہے اتنے داغ ہیں کہ ان داغوں سے سینہ چھلنی ہو جاتا ہے۔ ایسا چھلنی ہو جاتا ہے کہ نیک اعمال ان میں رہ نہیں سکتے اور انسان اپنے زعم میں سمجھتا ہے کہ میں بہت کچھ آخرت کے لئے جمع کر رہا ہوں۔ پس انبیاء سے انکسار سیکھیں پھر آپ کو ذکر الٰہی سے فائدہ پہنچے گا کیونکہ ذکر الٰہی سے بعض دفعہ تکبر بھی پیدا ہو جاتا ہے اور کئی چھوٹے ظرف کے لوگ، چھوٹے دل کے لوگ تھوڑی سی نیکیاں کرتے ہیں تھوڑا سا خدا کو یاد کرتے ہیں اور اپنے تئیں اپنے آپ کو بہت بڑا بزرگ بنا لیتے ہیں اور بجائے اس کے کہ وہ اور گریں اور زیادہ عاجزی اختیار کریں، ان کے سر بلند ہونے لگ جاتے ہیں حالانکہ تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ جتنا

اللہ کو یاد کرو اتنا جھکتے چلے جاؤ اور دعاؤں کی رفعتوں کا راز اس میں ہے کہ انسان کا سر سب سے زیادہ خدا کے حضور جھکا ہوا ہو۔ میں نے پہلے خطبہ میں یہ بیان کیا تھا کہ ہماری نمازوں کا ہر سجدہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ وہ کیفیت جس میں سرزمین سے لگ گیا ہے اس سے نیچے جا نہیں سکتا۔ اس وقت ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ کہو سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡاَعۡلٰی۔ سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡاَعۡلٰی۔ سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡاَعۡلٰی۔ کہ میرا تو یہ حال ہے کہ میں زمین پر اپنی پیشانی رگڑ رہا ہوں اور میں نے اپنے آپ کو سب سے زیادہ ذلیل اور حقیر تر کر دیا ہے لیکن میرا رب جو ہر بدی سے پاک ہے، سب سے اعلیٰ ہے اور اسی کے تعلق میں اعلیٰ ہوسکتا ہوں اس کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ پس جتنا انسان ذکر الٰہی کے نتیجے میں انکسار حاصل کرتا ہے وہ جتنا خدا کے حضور جھکتا ہے، اتنا ہی اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رفعتیں عطا ہوتی ہیں اور یہ رفعتیں اللہ کا فضل ہے۔ انسان کا مقام وہی ہے جو سجدے میں ہے، خدا کے حضور مٹی ہو جانا، اس کے سوا انسان کا کوئی مقام نہیں کہ جتنی رفعتیں نصیب ہوتی ہیں فضل سے نصیب ہوتی ہیں اور حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے اس مضمون کو بار بار کھولا ہے، خود اپنی ذات کے حوالے سے کھولا ہے۔ فرمایا میں بھی نہیں بخشا جاؤں گا جب تک فضل نہیں ہوگا اور دنیا کے عام چھوٹے چھوٹے انسان معمولی نیکیوں پر بھی شیخیاں بگھارنے لگتے ہیں اور دوسروں کو حقارت سے دیکھنے لگتے ہیں معاشرے کی بہت سی بدیاں اس راز کو نہ پانے کے نتیجے میں ہیں۔ ایک انسان میں، ایک خاندان میں ایک برائی دیکھیں تو کس طرح زبانوں پہ وہ برائیاں اُچھلتی پھرتی ہیں ایک زبان سے دوسری زبان سے اٹھاتی ہے اور آگے چلاتی ہے گویا کہ یہ تو ذلیل لوگ ہیں اور ہم پاک صاف ہیں۔ بنیادی کیڑا دماغ میں یہی ہوتا ہے۔ دوسرے کو فوراً گنہگار اور حقیر جان لینا اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، اس کے نتیجے میں اصلاح کی کوشش نہیں ہوتی۔ اس کے نتیجے میں معاشرے اور بگڑتے ہیں اور تکبر سے کبھی کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ یہ وہ کڑوی بیل ہے جس کو کبھی میٹھا پھل نہیں لگ سکتا۔ پس جن کے اندر ذکر الٰہی، عاجزی پیدا کرتا ہے ان کا سمجھانے کا انداز اور ہوتا ہے اور جو لوگ چھوٹے دل کے اور کم ظرف لوگ ہوتے ہیں وہ تیز زبانوں کے ساتھ پھر دوسروں پہ حملے کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں ہمارا حق ہے معاشرے کی اصلاح کی خاطر ہم یہ کر رہے ہیں۔

ہم نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہؓ کو قادیان میں دیکھا ہے وہ فرشتے انسانوں کے روپ میں گلیوں میں پھرتے تھے ان سے کبھی ہم نے تلخ کلامی نہیں سنی۔ ہماری

برائیاں دیکھتے تھے ہمارے عیوب پر نظر رکھتے تھے، بڑی محبت اور پیار سے الگ ہو کر ہمیں سمجھایا کرتے تھے لیکن کبھی تیز زبان سے لوگوں کے دلوں پر چرکے لگاتے ہم نے ان کو نہیں سنا لیکن ان کے مقابل پر ایسے لوگ بھی تھے جو ہر وقت اسی مشغلے میں رہتے تھے کہ فلاں میں یہ برائی ہے۔ فلاں میں یہ برائی ہے۔ فلاں فلاں کا بیٹا ہے دیکھو اس کی حرکتیں کیا ہیں اور اسی طرح انہوں نے اپنی عمریں ضائع کر دیں اور اپنی اولادیں ہاتھ سے ضائع کر دیں کیونکہ وہ لوگ جو نیکی میں انکسار رکھتے ہیں اللہ ان کی اولاد کی حفاظت فرماتا ہے اور وہ لوگ جو نیکی میں تکبر اختیار کر جاتے ہیں وہ پھر بعض دفعہ بغیر نیکی کے بھی اچھلنے لگتے ہیں اور ان کی نیکیاں تو ویسے ہی ضائع ہو جاتی ہیں ان کی اولادوں کو ہم نے پھر بہت کم بچتے دیکھا ہے اکثر ضائع ہو جاتی ہیں۔

حضرت رسول اکرم ﷺ نے اللہ کی محبت اور ذکر کے بیان میں حضرت داؤد علیہ السلام کا نام لیا ہے اور اس میں خاص حکمت ہے۔ انبیاءؑ میں سے جو سب نبیوں کا سردار ہے وہ ایک نبی کی مثال پیش کر رہا ہے جو اس کے مقابل پر ایک ادنیٰ آسمان سے تعلق رکھتا تھا۔ فرماتے ہیں۔

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِی اللّٰہ عنہ قَالَ قَالَ رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وعلٰی آلہ وسلم، کان مِن دُعَاءِ داؤدَ علیہ السلام: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ. اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَاَھْلِیْ وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ. (ترمذی، کتاب الدعوات)

حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا داؤدؑ یوں دعا مانگا کرتے تھے۔ بڑے پیار کے ساتھ حضرت داؤدؑ کا نام لیا ہے کیونکہ دعا وہ تھی جو عین آپؐ کے دل کی آواز تھی اور کیا کیفیت ہوگی ہم اس کا تصور نہیں کر سکتے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے دل کی آواز کو ایک اور نبی کی زبان میں سنایا ہے فرماتے ہیں یہ دعا مانگا کرتے تھے اے میرے اللہ میں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں۔ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ اور اس کی محبت مانگتا ہوں جو مجھے تیری محبت میں بڑھائے وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ اور ایسے اعمال مانگتا ہوں جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دیں اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ اے میرے اللہ اپنی محبت کو میرے لئے بنا دے اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ۔ میری جان سے بھی زیادہ

پیاری۔ وَاَهْلِیْ اور میرے اہل وعیال سے بھی زیادہ پیاری وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ۔ ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ پیاری۔ جب جان جاتی ہو تو پانی کتنا پیارا لگتا ہے اور پھر ٹھنڈا پانی۔ فرمایا اس کیفیت میں جس طرح انسان پانی کے لئے مچلتا ہے اس سے پیار ہو جاتا ہے اس سے بھی زیادہ مجھے اے اللہ اپنی محبت عطا فرما۔

حضرت داؤدؑ کے اندر وہ کیفیت جو میں نے بیان کی ہے کہ ذکر کے ساتھ عجز بڑھتا چلا جائے یہ کیفیت بڑی شان کے ساتھ پائی جاتی ہے اور اس پہلو سے زبور کو تمام کتب میں ایک عظیم مقام حاصل ہے اور زبور کے گیت آج تک پڑھتے ہوئے وجد سا طاری ہو جاتا ہے کس طرح اللہ کی محبت میں آپ نے گیت گائے ہیں اور یہ اس دعا کا نتیجہ ہے۔

پھر حضرت رسول اکرم ﷺ نے آپؑ کی فطرت کا وہ مرکزی نقطہ پکڑ لیا ہے جس کے نتیجے میں آپ کو پھر سب رفعتیں عطا ہوئی ہیں۔ پس آج بھی جب ہم ذکر الٰہی کی باتیں کرتے ہیں تو بہت سے ایسے مقامات آتے ہیں کہ خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ ہم میں ان رفعتوں کو حاصل کرنے کی کہاں طاقت ہے اور دل ڈرتا ہے اور اسی مضمون کے خطوط مجھے سب دنیا سے آتے ہیں کہ آپ نے وہ وہ باتیں شروع کر دی ہیں کہ ہم تو اپنے آپ کو بالکل اہل ہی نہیں پاتے ہمیں کیسے یہ باتیں نصیب ہوں گی اور دل ڈرتا ہے کہ اگر نہیں ہوں گی تو ہم گنہگار نہ ہو جائیں اس کا جواب میں آج دے رہا ہوں۔

حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے فرمایا تم داؤد کی دعا مانگا کرو اس کے نتیجے میں اللہ نے اسے اپنی محبت عطا کی اور اپنی محبت میں گیت گانے کی صلاحیتیں عطا کیں۔ یہ عشق کے ترانے حضرت داؤدؑ کے زبور میں ملتے ہیں اس کی مثال آپ کو دوسرے نبیوں کی کتب میں نظر نہیں آئے گی۔ فرماتے ہیں۔

”میں چلاتے چلاتے تھک گیا میرا گلا سوکھ گیا میری آنکھیں اپنے خدا کے انتظار میں پتھرا گئیں مجھ سے بے سبب عداوت رکھنے والے میرے سر کے بالوں سے زیادہ ہیں میری ہلاکت کے خواہاں اور ناحق دشمن زبردست ہیں پس جو میں نے چھینا نہیں، مجھے دینا پڑا۔ اے خدا تو میری حماقت سے واقف ہے اور میرے گناہ مجھ سے پوشیدہ نہیں ہیں۔“ (زبور باب 69 آیت 3 تا 5)

بندوں کے اعتبار سے کہہ رہے ہیں جو میں نے چھینا نہیں مجھے دینا پڑا۔ ناکردہ گناہ کی سزا پا

رہا ہوں لیکن دعا کرتے وقت یہ نہیں کہتے کہ اے خدا میں معصوم ہوں میری خاطر کچھ کر۔ اللہ تعالیٰ کا کتنا گہرا عرفان تھا اس کی طرف منہ موڑتے ہیں تو کہتے ہیں اے خدا تو میری حماقت سے واقف ہے میرے گناہ تجھ سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ میں کس منہ سے مانگوں مگر تیرے سوا مانگوں کس سے؟ اسی درد کی کیفیت کو کہ سر سجدے میں پڑا ہے اور انتظار ہے کہ خدا آ کیوں نہیں رہا، حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یوں بیان کرتے ہیں۔

شور کیسا ہے ترے کوچہ میں لے جلدی خبر
خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا (درثمین صفحہ:10)

یہ وہ مناجات ہیں جو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اپنے عجز میں زمین پر بچھی ہوئی ہیں لیکن آسمان تک رفعتیں پا جاتی ہیں۔ حضرت داؤدؑ کا ایک اور عشقِ باری تعالیٰ کا گیت ہے آپ کہتے ہیں:

''اے خداوند میں تیری تمجید کروں گا کیونکہ تو نے مجھے سرفراز کیا ہے اور میرے دشمنوں کو مجھ پر خوش نہ ہونے دیا۔''

پہلے دعا مانگی تھی کہ میرے دشمن میرے سر کے بالوں سے بھی زیادہ ہیں اب یہ قبولیت دعا کی طرف اشارہ ہے ''اور میرے دشمنوں کو مجھ پر خوش نہ ہونے دیا'' تو سُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ (درثمین:46) جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں ملتا ہے وہی مضمون ہے۔

''اے خداوند میرے خدا میں نے تجھ سے فریاد کی اور تو نے مجھے شفا بخشی۔ اے خدا تو میری جان کو پاتال سے نکال لایا۔''

میرا مقام تو یہ تھا کہ میں زمین کی سب سے نیچی گہرائی میں تھا۔ کتنا پیارا کلام ہے۔

''اے خدا! تو میرے جان کو پاتال سے نکال لایا۔ تو نے مجھے زندہ رکھا ہے کہ گور میں نہ جاؤں۔ خداوند کی ستائش کرو۔ اے اس کے مقدسو! اس کے قدس کو یاد کر کے شکر گزاری کرو۔ کیونکہ اس کا قہر دم بھر کا ہے اس کا کرم عمر بھر کا۔''

لیکن ایک بات جو قرآن نے بیان فرمائی اور وہ یہاں کھلم کھلا دکھائی نہیں دے رہی وہ یہ ہے کہ اس کا ایک دم کا قہر بھی ساری عمر کی نیکیوں کو برباد کر دیتا ہے۔ اس لئے یہ نہ سمجھیں کہ ایک دم کا غضب ہے اس لئے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ ایک دم کا غضب سب کچھ فنا کر جاتا ہے جب سیلاب

آتے ہیں تو گزر بھی تو جاتے ہیں پھر زندگی معمول پر آ جاتی ہے مگر جو ڈوب گئے وہ تو ڈوب گئے۔ سیلاب جو علاقے ویران کر گیا وہ فصلیں تو پھر دوبارہ نہیں آ سکتیں اس لئے دم بھر کے غضب میں بہت کچھ ہو جاتا ہے انسان کی ساری زندگی رائیگاں چلی جاتی ہے۔

''رات کو شاید رونا پڑے اور صبح کو خوشی کی نوبت آتی ہے۔''

رات کو شاید رونا پڑے کیونکہ خدا کے حضور جو راتوں کو روتے ہیں انہی کو صبح خوشی کی نوبت آتی ہے۔

''میں نے اپنی اقبال مندی کے وقت یہ کہا تھا کہ مجھے کبھی جنبش نہ ہوگی۔
اے خداوند تو نے اپنے کرم سے میرے پہاڑ کو قائم رکھا تھا۔''

اس میں ایک پوری داستان ہے اللہ تعالیٰ سے محبت کی باتیں کرنے اور خدا سے وفا کے وعدے کرنے کی۔ کہتے ہیں میں نے اپنے اقبال مندی کے وقت یعنی جب تو نے مجھے سرفراز فرمایا اور مجھے اپنا بنالیا یہ عرض کیا تھا کہ مجھے کبھی جنبش نہ ہوگی میں اب کبھی اس راستے سے ٹلوں گا نہیں لیکن مجھ میں کہاں طاقت تھی کہ میں اس عہد پر قائم رہتا۔ اے خداوند تو نے اپنے کرم سے میرے اس پہاڑ کو قائم رکھا۔ محض تیرا کرم اور فضل تھا کہ میرے پہاڑ کو میرے عزم کے پہاڑ کو ثبات عطا ہوا ہے اور واقعةً مجھے کبھی جنبش نہیں ہوئی۔

''جب تو نے اپنا چہرہ چھپایا تو میں گھبرا اٹھا۔ اے خداوند میں نے تجھ سے فریاد کی میں نے خداوند سے منت کی۔ جب میں گور میں جاؤں تو میری موت سے کیا فائدہ۔ کیا خاک تیری ستائش کرے گی کیا وہ تیری سچائی کو بیان کرے گی۔''

اس سے مراد ظاہر قبر نہیں ہے۔ ظاہری قبر میں تو ہر انسان جانتا ہے کہ میں نے بہر حال جانا ہے اور خدا کی ستائش پھر بھی باقی رہے گی۔ یہ وہی گور ہے جس کے متعلق حضرت داؤدؑ پہلے کہہ چکے ہیں کہ ''تو نے مجھے گور سے نکالا'' یعنی خدا تعالیٰ سے دوری کے اندھیرے۔ خدا تعالیٰ کے وصل سے پہلے کی کیفیت۔ تو عرض کرتے ہیں کہ اے خدا اگر میں گور میں چلا گیا تو میری مٹی تو بے کار ہو جائے گی وہ مٹی جو روحانی لحاظ سے مر جائے وہ تو تیری ستائش نہیں کر سکتی۔

''سن لے اے خداوند اور مجھ پر رحم کر۔ اے خداوند تو میرا مددگار ہو تو

نے میرے ماتم کو ناچ سے بدل دیا۔“

یعنی ایک طرف گریہ وزاری کرتے ہیں تو خدا کی طرف سے خوشخبری پاتے ہیں اور کیسا پیارا نقشہ کھینچا ہے۔

”تو نے میرے ماتم کو ناچ سے بدل دیا تو نے میرا ٹاٹ اتار ڈالا اور مجھے خوشی سے کمر بستہ کیا تا کہ میری روح تیری مدح سرائی کرے اور چپ نہ رہے۔اے خداوند میرے خدا میں ہمیشہ تیرا شکر کرتا رہوں گا۔“

پس حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے ذکرِ الٰہی کے تعلق میں جس نبی کی مثال چنی ہے دیکھیں کس شان کے ساتھ اس پہ چسپاں ہوتی ہے۔آنحضرت ﷺ کے کلام کو سرسری نظر سے نہ دیکھیں اس میں گہرے حکمتوں کے راز ہوتے ہیں یہ فوراً دل میں خیال اٹھنا چاہئے کہ داؤد کو کیوں چن لیا بڑے بڑے پاک باز اور بڑے بڑے بلند مرتبہ نبی اس سے پہلے گزر چکے ہیں اور قرآن نے ان کا بڑی شان سے ذکر فرمایا تو محمد رسول اللہؐ نے داؤدؑ کو کیوں چنا ہے صرف اس لئے کہ حضرت داؤدؑ کو یہ خاص مرتبہ حاصل تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی محبت کے گن گانے کا سلیقہ خود عطا فرمایا تھا اور اس دعا کے نتیجے میں جس دعا کو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے محفوظ فرمایا اور آئندہ ہمیں پڑھنے کی ہدایت کی۔

یہ حدیث قدسی ہے کیونکہ کوئی نبی بھی اپنی طرف سے کلام نہیں کرتا سوائے خدا کے اشارے کے۔مگر محمد رسول اللہ ﷺ اس معاملے میں سب نبیوں سے ممتاز ہیں۔کوئی ایک ادنیٰ سا کلمہ بھی آپؐ نے اپنے دل سے اپنی جان سے نہیں کہا وہی کہا جو اللہ چاہتا تھا کہ آپؐ کہیں اور جو اللہ کا منشاء تھا۔پس بسا اوقات قرآن کے علاوہ بھی آپؐ پر وحی نازل ہوئی بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ گویا آپؐ ہمیشہ ایک وحی کی کیفیت میں زندہ رہے اور آپؐ کی رؤیا بھی وحی تھی۔پس یہ جو باتیں ہیں یہ وحی کے سوا نصیب نہیں ہوسکتیں۔پس حضرت داؤد کے ذکر کو آپؐ نے جو چنا ہے اور خاص معین دعا کے ساتھ۔یہ دعا آسمان سے آپؐ پر نازل فرمائی گئی اور اس حکمت کے پیش نظر کہ لوگ حضرت داؤد کی مناجات کی طرف توجہ کریں اور ان سے استفادہ کریں۔

عرض کرتے ہیں:

”اے خدا میرا انصاف کر اور بے دین قوم کے مقابلے میں میری

وکالت کر اور دغا باز اور بے انصاف آدمی سے مجھے چھڑا کیونکہ تو ہی میری قوت کا خدا ہے تو نے مجھے کیوں ترک کر دیا۔ میں دشمن کے ظلم کے سبب سے کیوں ماتم کرتا پھرتا ہوں۔''

آپ جانتے ہیں، تمام انبیاء جانتے ہیں کہ اللہ نے انہیں چھوڑا نہیں ہے لیکن ایک نہایت دردناک عجز کی کیفیت ہے جس کا بیان ہے۔ پس مراد یہ تھی تو مجھے چھوڑ بھی دے تو تیرا حق ہے۔ پس بعض دفعہ محبوب کی آنکھوں میں ذرا بھی تغافل پیدا ہو تو محبت کرنے والا انسان یہی سوچتا ہے کہ مجھے چھوڑ دیا گیا ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ نعوذ باللہ خدا نے ترک کر دیا تھا دونوں باتیں ہیں اس میں ایک عجز کا اظہار کہ اے میرے مولا تو ترک کر دے تو کوئی شکوہ نہیں یعنی میرا حق نہیں ہے کہ تو مجھے یاد رکھے اور دوسرا یہ مضمون کہ اے خدا میں جب بھی تیری طرف سے محبت کے آثار میں معمولی سی کمی دیکھتا ہوں بعض دفعہ ایک خاص وجد کی کیفیت طاری ہوتی ہے بعض دفعہ انسان پر ایک قبض کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور ہر حال میں خدا ایک ہی طرح ظاہر نہیں ہوتا۔ پس وہ کیفیات جن میں کچھ محسوس ہو کہ شاید میرے آقا نے مجھ سے کوئی ایسی بات دیکھی ہے وہ پہلی سی بات اس کے پیار میں نہیں رہی، ایسے وقت کی یہ دعا ہوتی ہے کہ اے خدا تو نے مجھے کیوں ترک کر دیا جیسے کہا جاتا ہے۔

؎ یک عشق و ہزار بدگما نیست

ایک عشق اور ہزار بدگمانیاں اس سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ پس محبوب کے متعلق ہمیشہ یہ فکر کہ کہیں نظریں نہ پھیر لے اس سے پھر دعا کے یہ مضمون پیدا ہوتے ہیں جو آپ سن رہے ہیں۔

''کیونکہ تو ہی میری قوت کا خدا ہے تو نے مجھے کیوں ترک کر دیا میں دشمن کے ظلم کے سبب سے کیوں ماتم کرتا پھروں، تو میرا نہیں ہے کہ میں دشمن کے ظلم کے سبب سے ماتم کرتا پھروں؟ اپنی نور اور سچائی کو بھیج۔ وہی میری راہبری کریں وہی مجھے تیرے کوہِ مقدس اور تیرے مسکنوں تک پہنچائیں۔ تب میں خدا کے مذبح کے پاس جاؤں گا خدا کے حضور جو میری کمال خوشی ہے۔''

وہی مضمون ہے ''ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں'' تو ہر خوشی کا کمال اللہ کی ذات میں ہے اور اس سے تعلق میں ہے۔

''اے خدا میرے خدا! میں ستار بجا کر تیری ستائش کروں گا''

ستار بجا کر ستائش کرنا ایک خاص عشق کا مضمون ہے یہ مرادنہیں ہے کہ انبیاء ہاتھوں میں ستار پکڑ کے خدا کی عبادت کیا کرتے تھے یا اس کی ستائش کیا کرتے تھے۔ جیسے پنجابی میں کہتے ہیں خدا تعالیٰ سے محبت کی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ 'ساری رات ناچ کے میں روٹھا یار منالوں'۔ وہ یہ نہیں کہ **نعوذ باللہ من ذالک** وہ بزرگ لوگ ساری رات گاتے تھے ناچتے رہتے تھے۔ ان کی قبروں پہ جاہل تو ناچتے ہیں مگر وہ نہیں ناچا کرتے تھے۔ دل ناچا کرتے ہیں۔ روح وجد میں آتی ہے، انسان کی روح وہ مرلی بجاتی ہے وہ سر نکالتی ہے وہ آسمانی مرلی ہے آسمانی مرلی کی سر ہے۔ پس یہ اشارہ ہے۔

''میں ستار بجا کر تیری ستائش کروں گا۔ اے میری جان تو کیوں گری جاتی ہے تو اندر ہی اندر کیوں بے چین ہے خدا سے امید رکھ کہ وہ میرے چہرے کی رونق اور میرا خدا ہے۔''

کتنا عظیم کلام ہے اور اندر ہی اندر جان گھلی جاتی ہے۔ وہ نبی جن کا مرتبہ یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ان کی ایک دعا کو پیار کی نظر سے دیکھتے ہیں ان کا تو یہ مرتبہ ہے یہ حال ہے اور چھوٹے چھوٹے نیکیاں کرنے والے لوگ وہ نیکیاں بھی اللہ بہتر جانتا ہے کہ نیکیاں تھیں بھی کہ نہیں، خود ستائشی بھی ہو سکتی ہیں وہ تھوڑی سی نیکی پر تکبر سے دیکھیں کیسی کیسی چھلانگیں مارتے ہیں اور یہاں یہ کیفیت ہے کہ اندر ہی اندر مَیں کیوں بے چین ہوں، جان گھلی جاتی ہے اس غم سے کہ کہیں میرے خدا کی نظر نہ مجھ سے پھر جائے۔ ''خدا سے امید رکھ کہ وہ میرے چہرے کی رونق اور میرا خدا ہے میں پھر اس کی ستائش کروں گا۔'' پھر عرض کرتے ہیں:

''اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا تو میری مدد اور میرے نالۂ فریاد سے کیوں دور رہتا ہے۔ اے میرے خدا میں دن کو پکارتا ہوں پر تو جواب نہیں دیتا اور رات کو بھی اور خاموش نہیں ہوتا۔ لیکن تو قدوس ہے تو جو اسرائیل کی حمد و ثنا پر تخت نشین ہے۔''

جب میں نے یہ بیان کیا کہ اصل عرش جس پر خدا تخت نشین ہوتا ہے رونق افروز ہوتا ہے وہ اس کے پاک بندوں کی حمد و ثنا ہے ورنہ کوئی ظاہری عرش دنیا میں ایسا نہیں ہے۔ فرشتے بھی جو اس کا

تخت اٹھائے ہوئے کہا جاتا ہے وہ حمد وثناء کا تخت ہے ورنہ ظاہری تخت کون سا ہے جس پر خدا بیٹھتا ہے؟

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اسی مضمون کو بیان فرماتے ہیں اور حضرت داؤدؑ بھی یہی کہہ رہے ہیں تو جو اسرائیل کی حمد وثنا پر تخت نشین ہے یہ تیرا عرش اسرائیل کی حمد وثناء پر ہے۔ فرماتے ہیں۔

دیکھتا ہوں اپنے دل کو عرش رب العالمین

قرب اتنا بڑھ گیا جس سے ہے اترا مجھ میں یار (درثمین صفحہ:140)

کہ میرے قرب کی وجہ سے میرا یار مجھ میں اترا ہے اور خدا کا قرب عرش عطا کرتا ہے یعنی قرب الٰہی کا بلندی سے ایک گہرا اٹوٹ تعلق ہے پس دل عرش بن جایا کرتے ہیں ورنہ ظاہری طور پر کوئی قرب نہیں ہوا کرتا۔ پھر حضرت داؤد کہتے ہیں ''ہمارے باپ دادا نے تجھ پر توکل کیا انہوں نے توکل کیا اور تو نے ان کو چھڑایا'' یعنی ہم تو وہ لوگ ہیں جو نسلاً بعد نسلٍ تیرے نوکر چلے آ رہے ہیں ''انہوں نے توکل کیا اور تو نے ان کو چھڑایا انہوں نے فریاد کی اور رہائی پائی انہوں نے تجھ پر توکل کیا اور شرمندہ نہ ہوئے پر میں نے، کیڑا ہوں انسان نہیں۔''

کتنا عظیم کلام ہے جو حمد وثناء کے ساتھ فوراً عجز کی طرف مائل کر دیتا ہے پہلی دعا کا جو انداز تھا بالکل وہی انداز حضرت داؤد کا یہاں بھی ہے۔ بظاہر یہ کہہ رہے ہیں جس طرح عام لوگ کرتے ہیں کہ باپ دادا کی خاطر ہی ہمیں معاف فرما دے ہم بھی ان کی عظمتوں کے نشان ہیں۔

''اور میں کس منہ سے مانگوں میں تو کیڑا ہوں ان میں تو نیکیاں تھیں میں انسان نہیں ہوں'' آدمیوں میں انگشت نما ہوں اور لوگوں میں حقیر۔'' میں وہ ہوں جس کی طرف حقارت سے انگلیاں اٹھتی ہیں کہ ذلیل کیڑا ہے اس کو دیکھو۔'' وہ سب مجھے دیکھتے ہیں میرا مضحکہ اڑاتے ہیں وہ منہ چڑاتے ہیں سر ہلا ہلا کر کہتے ہیں اپنے کو خداوند کے سپرد کر دے وہی اسے چھڑائے جبکہ وہ اس سے خوش ہے تو وہی اسے چھڑائے پر تو ہی مجھے پیٹ سے باہر لایا جب میں شیر خوار ہی تھا تو نے مجھے توکّل کرنا سکھایا۔ میں پیدائش ہی سے تجھ پر چھوڑا گیا۔ میری ماں کے پیٹ ہی سے تو میرا خدا ہے۔ مجھ سے دور نہ رہ کیونکہ مصیبت قریب

ہے اس لئے کہ کوئی مددگار نہیں۔'' (زبور باب 22 آیات 1 تا 11)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے داؤدی لحن عطا فرمائی تھی اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے متعلق داؤد ہونے کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ میں کبھی داؤد بھی ہو جاتا ہوں۔ آپؑ نے خدا کے حضور عرض کیا۔

کرمِ خاکی ہوں مرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار (درثمین صفحہ:125)

دیکھئے حضرت داؤد کی اس عبارت سے کتنی مشابہ اور کتنی قریب ہے کہ ''میں تو کیڑا ہوں انسان نہیں۔ آدمیوں میں انگشت نما ہوں اور لوگوں میں حقیر۔'' پھر عرض کرتے ہیں۔

یہ سراسر فضل و احساں ہے کہ میں آیا پسند
ورنہ درگہ میں تیری کچھ کم نہ تھے خدمت گزار (درثمین صفحہ:125)

تو نے مجھے اپنے فضل سے چنا ہے۔ مجھ میں کون سی خوبی تھی یہ محض تیرا احسان ہے کہ مجھے اس خدمت کے لئے چن لیا ہے۔ پھر اسی مضمون کو دوبارہ ایک اور شعر میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

کرم خاکی ہوں مرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
فضل کا پانی پلا اس آگ برسانے کے دن (درثمین صفحہ:96)

حضرت داؤد کہتے ہیں جب میں شیر خوار ہی تھا تو نے مجھے توکل کرنا سکھایا میں پیدائش ہی سے تجھ پر چھوڑا گیا میری ماں کے پیٹ ہی سے تو میرا خدا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام عرض کرتے ہیں۔

ابتدا سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے
گود میں تیری رہا میں مثلِ طفل شیر خوار (درثمین صفحہ:126)

اور آجکل کے بدنصیب ملاں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس شعر کو تحقیر اور تضحیک کا نشانہ بناتے ہیں جو دراصل حضرت داؤدؑ کی لحن ہی میں ایک شعر کہا گیا ہے۔ یہ لحنِ داؤدی ہے وہی مضمون ہے جو حضرت داؤد نے بیان کیا اور آپ کبھی کسی ملّاں کی آواز میں سن لیں کہ کس کس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تمسخر اڑاتے ہیں کس طرح حاضرین کو ابھارتے ہیں اور

کہتے ہیں بتاؤ تمہاری جائے نفرت کیا ہے یہ کیا چیز ہے جس کا ذکر کر رہے ہیں اور پھر جو بکواس ان کے منہ میں آتی ہے کہتے ہیں اور حضرت داؤدؑ کی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ گلیوں کی زبانیں تضحیک کا نشانہ بناتی ہیں۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ کہنا کہ خدا نے مجھے بھی اس زمانے کا داؤد بنایا ہے اس لحاظ سے لفظاً لفظاً پورا ہوتا دکھائی دیتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مناجات کی میں چند مثالیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ آپ عرض کرتے ہیں:۔

''اور اے میرے خدا میں ایک تیرا ناکارہ بندۂ پُر معصیت اور پُر غفلت ہوں تو نے مجھ سے ظلم پر ظلم دیکھا اور انعام پر انعام کیا اور گناہ پر گناہ دیکھا اور احسان پر احسان کیا۔ تو نے ہمیشہ میری پردہ پوشی کی اور اپنی بے شمار نعمتوں سے مجھے متمتع کیا۔ سو اب بھی مجھ نالائق اور پُر گناہ پر رحم کر اور میری بے باکی اور ناسپاسی کو معاف فرما اور مجھ کو میرے اس غم سے نجات بخش کہ بجز تیرے چارہ گر کوئی نہیں۔''

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے رب کے حضور عرض کرتے ہیں:۔

''اے رب العالمین! تیرے احسانوں کا میں شکر نہیں کر سکتا۔ تو نہایت ہی رحیم و کریم ہے اور تیرے بے غایت مجھ پر احسان ہیں میرے گناہ بخش تا کہ میں ہلاک نہ ہو جاؤں۔''

ہر مقدس جانتا ہے کہ اس کی روحانی زندگی خدا کے فضل سے وابستہ ہے۔ حضرت داؤدؑ نے جو دعا کی کہ میں گور میں نہ چلا جاؤں ورنہ کیا مٹی تیری ستائش کرے گی وہی مضمون ہے کہ:

''میں ہر دم تیری ثناء کر رہا ہوں مجھے ہلاک نہ ہونے دینا میرے دل میں اپنی خالص محبت ڈال تا مجھے زندگی حاصل ہو اور میری پردہ پوشی فرما اور مجھ سے ایسے عمل کرا جن سے تو راضی ہو جائے۔ میں تیرے وجہ کریم کے ساتھ اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ تیرا غضب مجھ پر وارد ہو اور دنیا اور آخرت کی بلاؤں سے مجھے بچا کہ ہر ایک فضل و کرم تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ آمین ثم آمین۔''

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے رب کے حضور عرض کرتے ہیں:۔

''اے خدا تعالیٰ! قادر و ذوالجلال! میں گنہگار ہوں اور اس قدر گناہ کے زہر نے میرے دل اور رگ و ریشہ میں اثر کیا ہے کہ مجھے رقّت اور حضورِ نماز حاصل نہیں۔''

یہ دعا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان لوگوں کو سکھائی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہتے تھے کہ ہمیں وہ کیفیت نصیب نہیں ہوتی جس کیفیت کے ساتھ خدا کی محبت میں ایک لذت پیدا ہو جائے اور ہماری دعائیں جاگ اٹھیں اور زندہ ہو جائیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے جواب میں ان کو یہ نسخہ لکھ کر دیا ہے۔ (فتاوٰی مسیح موعودؑ صفحہ ۳۶) پر درج ہے کہ یوں دعا کیا کرو۔

اب رِقّت اور حضورِ نماز کا حاصل نہ ہونا یہ ایک روزمرہ کی عام بات ہے جو دنیا کے اکثر نمازیوں کا روزمرہ تجربہ ہے پھر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو اس بیماری سے نجات کا نسخہ لکھ رہے ہیں اس میں اسے ایک ایسی کیفیت قرار دیتے ہیں جو اس وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ رگ و ریشہ میں زہر سرایت کر جائے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جسے ٹھہر کر سمجھنا ضروری ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام یونہی کسی نثر نگار کا کلام نہیں جو سجا سجا کر جو بات ذہن میں آئے اپنی نثر کو سجانے کے لئے پیش کر دیتا ہے اس میں گہری حکمت ہوتی ہے اور حقیقت ہوتی ہے امرِ واقع یہ ہے کہ نمازوں میں لذت اس وقت نصیب نہیں ہوتی جبکہ انسان کی ساری لذت کی تمنائیں دنیا کی طرف مائل ہو چکی ہوتی ہیں۔ اس کا صبح اٹھنا، اس کا رات کو سونا، ایسی امنگوں اور خوابوں میں اور اپنے نفس کے ساتھ باتوں کے ساتھ ہوتا ہے جس میں دنیا طلبی کی باتیں ہوتی ہیں۔ آج مجھے یہ بھی مل جائے آج مجھے وہ بھی مل جائے۔ آج میرا یہ کام پورا ہو، آج میں اس طرح اپنے محبوب کو پاؤں، اس طرح اس کے ساتھ وصل کی راتیں کٹیں وغیرہ وغیرہ یا اس سے ملتے جلتے دوسرے مضمون۔ ساری زندگی اسی طرح روز و شب میں کٹ جاتی ہے۔ وہ روزمرہ کی تمنائیں اسے گھیرے رکھتی ہیں، ان کے ساتھ سوتا ہے، ان کے ساتھ جاگتا ہے پھر نماز میں سرور کیسے پا سکتا ہے۔ کبھی سوتے جاگتے اللہ کا ذکر بھی تو کرے از خود اس کی طرف دھیان جائے جیسا کہ حضرت رسول اکرم ﷺ کی مثالیں میں نے آپ کے سامنے رکھی تھیں۔ رات کو خدا کے ذکر کے ساتھ سویا کرتے تھے صبح اس ذکر کے ساتھ اٹھتے تھے اور ساری رات اسی ذکر میں صرف ہوا کرتی تھی۔ پس ایسے شخص کی عبادت ذکر سے زندہ ہو جایا کرتی ہے۔ اس

زندگی میں سرور ولطف ہے۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کیفیت کو ایک معمولی ابتدائی بیماری قرار نہیں دیا۔ فرمایا ہے توجہ کرو کہ تمہارے نفس میں دنیا کا زہر گھل گیا ہے اور تمہاری رگ و پے میں سرایت کر گیا ہے اس کے نتیجے میں یہ کیفیت پیدا ہوئی ہے جس کو تم معمولی سمجھ رہے ہو اور اسے دور کرتے کرتے وقت لگے گا۔ محنت لگے گی، توجہ کرنی ہوگی، خدا سے عاجزانہ دعائیں کرنی ہوں گی۔ آناًفاناً تو کینسر ٹھیک نہیں ہو جایا کرتے۔ بعض مریض مختلف قسم کی روحانی بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور نسخہ ایسا مانگتے ہیں کہ ادھر نسخہ منہ کے اندر گیا اور نسخہ کا تیار کردہ جو بھی محلول ہے اور اسی وقت شفا ہو گئی۔ بعض دفعہ اتنے لمبے عرصے تک ایڑیاں رگڑنی پڑتی ہیں اور شفا کے متلاشی کو اگر وہ دعا بھی ساتھ کرے شفا مل بھی جایا کرتی ہے اور کبھی نہیں بھی ملتی مگر دنیا میں بھی شفا اس وقت نہیں ملتی جبکہ مرض حد سے گزر چکا ہو اور توجہ عارضی ہو جو اس کے مقابل پر اتنی طاقت نہ رکھتی ہو۔ روحانی دنیا میں بھی یہی حال ہے۔ ایک عدل کا نظام ہے جو جاری وساری ہے پس جتنی کمزوری ہے اتنی شدت کے ساتھ اس کے مقابلے کے لئے ذہن اور روح اور دل کو بیدار ہونا پڑے گا اور بڑی فراست کے ساتھ اس بیماری کو پہچاننا ہوگا اور اس کے مقابل پر کوئی نسخہ تجویز کرنا ہوگا اور سب سے پہلے ہر نسخے کا آغاز دعا سے ہونا چاہئے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یہی ذکر کر رہے ہیں اس کو پھر غور سے سنئے۔

> ''میں گنہگار ہوں اور اس قدر گناہ کے زہر نے میرے دل اور رگ وریشہ میں اثر کیا ہے کہ مجھے رِقّت اور حضور نماز حاصل نہیں رہا۔''

کتنے لاکھوں کروڑوں عبادت کرنے والے ہیں جو بے چارے اسی کیفیت میں سے گذر رہے ہیں ان کو پتہ نہیں کہ ہماری کیفیت ہے کیا؟

> ''میرے گناہ بخش اور میری تقصیرات معاف کر اور میرے دل کو نرم کر دے اور میرے دل میں اپنی عظمت اور اپنا خوف اور اپنی محبت بٹھا دے تا کہ اس کے ذریعے سے میری سخت دلی دور ہو کر حضور نماز میسر آوے۔''

پس سب سے بڑا اور مؤثر نسخہ اپنے نفس کی شناخت اور اس شناخت کے بعد دعا ہے ورنہ خالی دعا اگر سکھا دی جائے تو انسان منہ سے باتیں کرتا رہتا ہے اس کو پتا ہی نہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور جس طرح وہ باتیں اس کے دل پر اثر نہیں کر رہی ہوتیں اللہ پر بھی اثر نہیں کرتیں، آپ کے دل

فیصلہ کرتے ہیں کہ کوئی دعا قبول ہوگی یا نہیں ہوگی یہ دل کی کیفیات ہیں جو اس کی طرف منتقل ہوتی ہیں جس سے مانگا جا رہا ہے۔ بعض دفعہ مانگنے والے ایسی بے کسی اور بے بسی سے مانگتے ہیں کہ پتھر دل بھی موم ہو جاتے ہیں لیکن اپنی شناخت ضروری ہے اس کے بغیر یہ عجز پیدا نہیں ہوگا اس کے بغیر یہ اضطراب پیدا نہیں ہوگا، جو قبولیتِ دعا کے لئے ضروری ہے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس طرح لحنِ داؤدی میں ایک اور دعا ہمیں سکھاتے ہیں فرماتے ہیں:

''اے میرے خدا میری فریاد سن کہ میں اکیلا ہوں۔ اے میری پناہ، اے میری سپر۔ میری طرف متوجہ ہو کہ میں چھوڑا گیا ہوں۔''

''اکیلا ہوں'' میں ایک مضمون بیان ہوا ہے اور ''چھوڑا گیا ہوں'' میں دوسرا مضمون بیان ہوا ہے ایک اکیلا ویسے ہی اکیلا ہوتا ہے لیکن ایک دشمنی اور نفرت کے سبب سے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ بعض لوگ بعض لوگوں سے اس لئے اجتناب کرتے ہیں کہ ان کو مکروہ دیکھتے ہیں پس حضرت داؤد نے جو یہ مضمون بیان فرمایا ہے وہی ایک اور رنگ میں حضرت داؤد سے زیادہ ایوبی کیفیت کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ حضرت ایوبؑ کی دعاؤں میں یہ پتا چلتا ہے کہ آپ ایسے بیمار ہوئے کہ جلد کی بیماری ہوگئی اور یہاں تک الفاظ آتے ہیں کہ گویا آپ کے جسم میں کیڑے پڑ گئے اور لوگ کراہت سے دیکھتے تھے اور منہ پھیرتے چلے جاتے تھے۔ انگلستان میں بھی رواج تھا کہ یہاں ایک زمانے میں کوڑھی کے لئے حکم تھا کہ وہ گلے میں گھنٹی ڈال کے پھرے تاکہ کسی کی نظر نہ اس پر پڑ جائے یعنی لوگوں کی نظروں کو اس عذاب سے بچانے کے لئے یا اس کی نحوست سے بچانے کے لئے کوڑھی کا فرض تھا کہ وہ گھنٹی بجاتا پھرے کہ میں اس راہ پہ آ رہا ہوں تم لوگ رستہ چھوڑ دو یا کسی اور طرف چلے جاؤ تو چھوڑا گیا ہوں، میں جو مضمون ہے وہی مضمون ہے۔ 'اکیلا ہوں' تو ہی ہے تیرے سوا میرا کوئی نہیں رہا۔ کوئی نہیں ہے۔ دنیا نے حقارت سے مجھے چھوڑ دیا ہے۔

''اے میرے پیارے! اے میرے سب سے پیارے! مجھے اکیلا مت چھوڑ میں تیرے ساتھ ہوں اور تیری درگاہ میں میری روح سجدہ میں ہے۔''

اکیلا چھوڑنے میں اللہ کی طرف دھیان گیا ہے، سب دنیا چھوڑ گئی تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ دنیا میری طرف واپس آ جائے۔ میں یہ عرض کرتا ہوں تو مجھے نہ چھوڑ۔ اگر تو مل گیا تو پھر سب کچھ مل گیا۔ پھر ایک دعا ہے۔

''میں ایک تیمار دار کی طرح جو اپنے عزیز بیمار کے غم میں مبتلا ہوتا ہے
اس ناشناس قوم کے لئے سخت اندوہ گیں ہوں۔ اے میرے اللہ تو نے مجھے اس
دور کا مسیحا بنا دیا ہے، میں ان بیماروں کا تیمار دار بنایا گیا ہوں۔''

پس اس کی طرح جو اپنے عزیز بیمار کے غم میں مبتلا ہوتا ہے جیسے ماں بچے کے غم میں مبتلا ہو یا باپ بیٹے اور بیٹی کے غم میں مبتلا ہو اس طرح میں اس قوم کے غم میں مبتلا کر دیا گیا ہوں۔ ''اس ناشناس قوم کے لئے'' ایسی قوم کا مجھے غم لگ گیا ہے جو پہچانتی نہیں کہ اس کا مسیحا کون ہے۔ بیمار اتنی کہ قبروں میں ٹانگیں لٹکائے بیٹھی ہے اور حالت یہ ہے کہ اپنے مسیحا کو پہچانتی نہیں۔

''دعا کرتا ہوں کہ اے قادر و ذو الجلال خدا۔ ہمارے ہادی اور
راہنما۔ تو لوگوں کی آنکھیں کھول اور آپ ان کو بصیرت بخش اور آپ ان دلوں
کو سچائی اور راستی کا الہام بخش۔''

آخر پر میں چند مرحومین کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی بھی دن چونکہ چھوٹے ہیں، نماز جمعہ کے بعد نماز عصر ہوگی اس کے معاً بعد نمازِ جنازہ غائب ہوگی۔

سب سے پہلے صوفی بشارت الرحمٰن صاحب وکیل التعلیم کی وفات کی آپ کو اطلاع دیتا ہوں۔ آپ چند روز بیمار رہ کر ہسپتال میں وفات پا گئے۔ 8/دسمبر 1928ء کو قادیان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صوفی عطا محمد صاحب 1910ء میں احمدیت میں داخل ہوئے۔ آپ کے نانا شیخ محمد اسماعیل صاحب 313 صحابہ میں سے تھے۔ مکرم صوفی صاحب مرحوم و مغفور کو تقریباً سب جماعت جانتی ہے۔ کالج میں پروفیسر بھی رہے، اور مختلف رنگ میں دین کی بڑی عاجزی اور انکساری کے ساتھ اور جانفشانی کے ساتھ خدمات سرانجام دیتے رہے۔ بہت علمی ذوق تھا اور اللہ کے فضل کے ساتھ دینی علم بڑا گہرا تھا اور ہر وقت کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے جس خدمت پر بھی یہ مامور رہے علمی مشاغل کو اس کے علاوہ ہمیشہ جاری رکھا۔ وفات کے وقت تحریک جدید میں وکیل التعلیم تھے۔

شیخ عبدالواحد صاحب بہت وسیع تعارف کے حامل تھے۔ جماعت میں بہت بھاری تعداد ان کو جانتی تھی۔ ان کی اہلیہ امتہ البشیر صاحبہ وفات پا گئی ہیں ان کی بھی نماز جنازہ ہوگی۔

مکرم شیخ اعجاز احمد صاحب آف کراچی جو شیخ عطا محمد صاحبؓ کے صاحبزادے تھے جو

علامہ اقبال کے چچا تھے یا تایا تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ابتدائی بیعت کرنے والوں میں سے تھے اور اللہ کے فضل سے بہت مخلص صحابی تھے۔ شیخ اعجاز احمد صاحب کو آپ کے ساتھ بیعت کرنے کی توفیق نہیں ملی تو غالباً والدہ یا دیگر رشتہ داروں کا اثر ہوگا۔ لیکن آپ نے 1931ء میں حضرت مصلح موعودؓ کے ہاتھ پر بیعت کی لیکن اللہ کے فضل کے ساتھ بہت ہی پاکباز انسان، بہت ہی مرنجاں مرنج طبیعت، مہمان نواز، خوش اخلاق، اعلیٰ پاکیزہ مجلسیں لگانے والے تھے۔ چودھری ظفر اللہ خان صاحبؓ کی صحبت کا ان میں کافی رنگ پایا جاتا تھا۔ چودھری صاحب کو ان سے بہت پیار تھا۔ آپؓ نے تحدیث نعمت میں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ ان کی ایک کتاب ''مظلوم اقبال'' کے نام سے شائع ہوئی تھی۔ جب علامہ اقبال کے متعلق بہت سے لکھنے والوں نے اس نئے دور میں جھوٹی باتیں پھیلانی شروع کیں کہ ان کا احمدیت سے کوئی تعلق کبھی نہیں رہا اور خاندان میں یہ بات نہیں تھی اور احمدیت کے خلاف ایسے ایسے معاندانہ انہوں نے کام کئے وغیرہ وغیرہ تو شیخ صاحب نے چند سال پہلے اس کے جواب میں باوجود بڑھاپے اور کمزوری کے بہت اچھی کتاب لکھی اور کہا کہ میں گھر والا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ ہمارے گھر میں کیا ہوتا تھا۔ کس طرح انہوں نے اپنے بیٹے کو عقیدت کے ساتھ قادیان سکول میں پڑھنے کے لئے بھجوایا تھا کہ باقی دنیا میں دوسرے سکولوں میں بے دینی پائی جاتی ہے وہیں سے دین سیکھے گا، تو اگر یہ شخص آغاز ہی سے احمدیت کے خلاف ہوتا تو یہ کام کیوں کرتا وہ کتاب بھی پڑھنے کے لائق ہے جس کسی کو موقع ملے تو اس کتاب کا مطالعہ کرے۔ بہت اچھی کتاب ہے۔

عبدالعزیز برما مجلس انصار اللہ کے آڈیٹر تھے۔ 1978ء میں بیعت کی تھی مگر بہت جلد جلد اخلاص میں ترقی کی اور شدید مخالفت میں ایذاء رسانیوں کے باوجود بڑے اخلاص سے احمدیت پر قائم رہے ان کے لئے بھی نماز جنازہ میں دعا کی جائے گی۔

حمیدہ منصور صاحبہ، طاہرہ مسعود حیات صاحبہ، ہمارے لندن کی جماعت کے مسعود حیات صاحب کو آپ جانتے ہیں حمیدہ منصور صاحبہ ان کی بیگم طاہرہ کی بہن تھیں اور جرمنی میں وفات پا گئی ہیں۔